SHNAKHAT E(ISSN) 2709-7641, P(ISSN) 2709-7633
Vol:3, ISSUE:3 (2024) PAGE NO: 489-498
Publishers: Nobel Institute for New Generation
http://shnakhat.com/index.php/shnakhat/index

Cite us here: Rubina, Dr. Muhammad Imtiaz, & Naveed Akhtar (2024). The Political and Dictatorial Elements in Rasheed Amjad's Short Stories (with Reference to the Collections "Sah Pehar Ki Khizaan" and "Aik Aam Aadmi Ka Khawab"). *Shnakhat*, *3*(3).*Shnakhat*, 3(3), 489-498. Retrieved from https://shnakhat.com/index.php/shnakhat/article/view/375

The Political and Dictatorial Elements in Rasheed Amjad's Short Stories (with Reference to the Collections "Sah Pehar Ki Khizaan" and "Aik Aam Aadmi Ka Khawab")

رشید امجد کے افسانوں میں سیاسی اور آمریتی عناصر
(افسانوی مجموعہ "سہ پہر کی خزاں" اور "ایک عام آدمی کا خواب" کے حوالے سے)

Rubina[1] Dr. Muhammad Imtiaz[2] Naveed Akhtar[3]

[1]Phd Scholar Qurtuba University of Science and Information Technology Peshawar.
[2]Associate professor Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar
[3]Lecturer Urdu Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar

Abstract
Literature draws inspiration from life, and politics constitutes a significant aspect of life. Literature is often considered a mirror of society, so writers cannot refrain from addressing national political scenarios like other aspects of life. Several literary figures within Urdu literature have explored political issues and their associated complexities through their creative works. Among these figures, the eminent and esteemed Rasheed Amjad holds a prominent place in the landscape of Pakistani literary figures. Rashid Amjad was a recognized Urdu short story writer. This research study investigates into a critical analysis of selected short story collections by Rasheed Amjad, namely "Sah pehar Ki Khizan" and "Aik Aam Aadmi Ka Khawab," with a focus on their political and authoritarian dimensions. The study seeks to ascertain how Rasheed Amjad has symbolically depicted the political events of his era, including the Martial Law period, and their consequences in his short story collections. Furthermore, the study aims to explore how he skillfully articulates elements of political directional, authoritarian oppression, ignorance, fear, suppression, terror, and hardship of that era in an engaging narrative manner. It also seeks to uncover his portrayal of the hypocritical behavior of rulers and the public.
Keywords: Politics, Authoritarianism, Martial Law, Public, Rasheed Amjad, Symbolic Short Story Writing

ادب زندگی سے تحریک حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی قوم کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات وہاں س کے ادب کو ضرور متاثر کرتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کی تاریخ میں پیش آنے والے سیاسی حالات و واقعات نے یہاں کے ادیبوں کو متاثر کیا۔ پاکستان کے ادیبوں نے اپنی تخلیقات میں ملکی و سیاسی حالات پر اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کیا۔ حکومت وقت کی چالبازیوں اور خامیوں کا پردہ چاک کرنے والے ادیبوں کو پابند سلاسل کیا گیا۔ جس معاشرے میں سیاسی جبر عام ہو، زبان بندی بامِ عروج پر ہو، منافقین دوغلے روپ لیے ہوں، عوام میں بے حسی اپنی جڑیں مضبوط کیے ہوئے ہو، تو ایسی صورت میں سیاسی حکمرانوں کے خلاف لکھنا نہایت مشکل اور کھٹن امر ہوتا ہے۔ ہمارے ادباء نے مارشل لاء اور سیاست کے مختلف ادوار کے ظلم و جبر کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور محسوس کیا۔ جن ادباء نے ان کے بارے میں لکھا ان کو قید خانوں کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سخت جسمانی اور ذہنی تکالیف میں مبتلا کیا گیا۔ مگر حکومتی حکمرانوں اور آمروں کے ظلم و استبداد کے خلاف یہ ادیب برابر لکھتے رہے اور اپنا فرض بخوبی نبھاتے نظر آئے۔ ان سیاسی و آمریتی حکمرانوں نے طاقت کے بل بوتے پر ان ادیبوں کو جسمانی طور پر مقید کیا مگر ان کی عقل و فکر پر پہرے نہ بٹھائے جا سکے۔ ان ادیبوں نے اس دور کے ظلم و جبر کے خلاف علامتی پیرایۂ اظہار اپناتے ہوئے حکومت وقت کی مکاریوں، چالبازیوں اور ملک دشمن پالیسیوں کے خلاف لکھا۔ مارشل لاء اور سیاسی جبر کی صعوبتوں میں زبان بندی صف اول میں شامل ہوتی ہے۔ زباں بندی کی بنا پر اردو افسانے میں علامت نگاری پروان چڑھی۔ سیاسی و آمریتی جبر اور زباں بندی نے علامتی ادب کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سیاست اور آمریت کے خلاف لکھنے والوں میں رشید امجد اردو افسانے کی دنیا میں اپنی ادبی خدمات کی بدولت الگ مقام رکھتے ہیں۔ رشید امجد نے اپنے افسانوں میں سیاسی و آمریتی ظلم، سماجی مسائل اور طاقت کے ناجائز استعمال کو بصیرت انگیز طور پر پیش کیا۔ ان کے افسانے اکثر پاکستان کے پیچیدہ سیاسی منظر نامے، کرداروں کی جدوجہد، خواہشات اور کمزوریوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ رشید امجد نے اپنے افسانوں میں عموماً پاکستان کے سیاسی حالات اور مارشل لاء کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کے موضوعات میں تنوع اس وقت پیدا ہوا جب 1977ء کے مارشل لا سے خاص قسم کی سیاسی شدت پسندی ماحول کا حصہ بنی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صفیہ عباد لکھتی ہیں:

> " رشید امجد نے فرد، معاشرہ، کائنات اور عہدِ حاضر کے ہر لمحہ بدلتے حالات و واقعات، خواہ ان کا تعلق سیاست سے ہو یا نفسیات سے، معاشرت سے ہو یا معیشت سے، مذہب ہو یا اخلاق، محسوسات ہوں یا

تاثرات، زندگی کے گوناگوں تجربات و مشاہدات افسانے میں داخل کیے۔"

(۱)

زیر بحث افسانوی مجموعہ "سہ پہر کی خزاں" ۱۹۸۰ء میں دستاویز پبلشرز راولپنڈی سے شائع ہوا۔ جس میں کل ۱۲ افسانے ہیں۔ ان افسانوں میں زندگی کے دوسرے موضوعات کے علاوہ سیاسی جبر اور آمریتی ظلم اور اس سے وابستہ مسائل کے موضوعات بھی ملتے ہیں۔ اس عہد میں ان کا ذہن جس طرح سیاسی حالات کے المناکی سے متاثر ہوا اس کا عکس زیر نظر مجموعے میں دکھتا ہے۔

افسانوی مجموعہ "سہ پہر کی خزاں" میں شامل افسانہ" گملے میں اگا ہوا شہر" پاکستانی حکمران ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے جنازے کے متعلق علامتی رنگ میں تحریر کیا گیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے مقبول رہنما تھے۔ رشید امجد نے اس افسانہ میں آمرانہ حکومت کو بھٹو سے خوفزدہ ہوتے ہوئے پیش کیا ہے۔ اس دور میں موجود آمرانہ طاقت بھٹو کو گرفتار کرنے اور پھر پھانسی گھاٹ تک لے جانے کے لیے جتنی بھی کوششیں کیں ان تمام کاوشوں کو رشید امجد نے اس افسانے میں کچھ اس طرح علامتی رنگ میں بیان کیا ہے۔

" وہ پچھلے کئی مہینوں سے یہ قبر کھود رہے تھے۔۔۔۔۔۔ کبھی نیچے سے دلدل نکل آتی اور کبھی آسمان پانی بن جاتا۔ قبر کھودنے کے دوران انہیں معلوم ہوا اندر ہی اندر شہر کی زمین دلدل اور آسمان پانی ہو چکا ہے مگر انہیں ہر صورت میں قبر کھودنا تھی اور قبر کھود چکی تھی وہ مٹی کے ڈھیر کے پاس بیٹھے ستا رہے تھے۔"(۲)

زیر نظر افسانے میں جس طرح حقیقتاً کسی گملے میں پودے کی جڑیں نشوونما نہیں پا سکتی بالکل اسی طرح اس علامت کے ذریعے رشید امجد نے پاکستانی عوام کی بے حسی اور محدود سوچ کو بیان کیا ہے۔ جو اپنے مقبول رہنما کو بچانے کے لیے اپنی محدود سوچ کو وسیع نہ کر سکے اور یہ خلش ان کے اندر کھٹکتی رہی کہ وہ اپنے مقبول رہنما کو بچا سکتے تھے۔ رشید امجد نے اپنے اس افسانے میں پاکستانی عوام کو بھیڑیوں سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح جب بھیڑیوں کو بھوک کی حالت میں کھانے کو کچھ نہ ملے تو وہ ایک دہری کی صورت میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو تکنا شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے ہی کوئی بھیڑیا تھک ہار کر آنکھیں موندنے لگتا ہے یہ تمام بھیڑیے اس پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ کچھ اسی طرح کا حال پاکستانی عوام کا تھا جو بھٹو کی پھانسی کے بعد ملک اور قوم کی فکر کے بجائے اپنی انفرادی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ یہ جنازہ سماجی زوال کی بھیانک صورت کو پیش کرتا ہے۔ بے حسی کا کاروان نامعلوم منزل کی جانب رواں دواں ہے۔

مجموعے میں شامل افسانہ " سناٹا بولتا ہے" ایک اہم مزاحمتی اور علامتی افسانہ ہے۔ مارشل لاء اور جمہوری حکومتوں کا پہلا اصول زبان بندی ہے۔ مقتدرہ حکومتوں کی غلط پالیسیوں، دھوکہ دہی، ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانے والوں کی زبان بندی مارشل لاء دور حکومت میں طاقت کے ذریعے جب کہ

جمہوری حکومت میں "کچھ لو اور کچھ دو" اصول کے تحت کی جاتی ہے۔ رشید امجد نے اس افسانے میں زبان بندی کو کچھ یوں بیان کیا ہے:

" میں نے جھک کر دیکھا سب کے منہ پر پلاسٹک ٹیپ لگے ہوئے ہیں۔ کیڑے ان کا گوشت کھا گئے ہیں مگر ٹیپ اسی طرح ہے۔" مگر ہم تو اظہار کے حوالے سے ہی ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور ان کے منہ تو بند ہیں ـــــــ بند کر دیے گئے ہیں۔"(۳)

آمریتی اور جمہوری حکومتیں اپنے مفادات کی خاطر جو ظالمانہ فیصلے کرتی ہیں اس کا صلہ اس ملک کی عوام کو بے بسی کے ساتھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

رشید امجد نے اس افسانے میں عمدہ علامتیں تراشتے ہوئے حکومت و آمریت کے خلاف لکھا۔ افسانہ نگار نے اس تعفن زدہ معاشرے کے لیے گٹر کی علامت استعمال کی ہے۔ اور ہماری پاکستانی عوام اس تعفن زدہ گٹر جیسے معاشرے میں اپنی زندگی نسل در نسل گزارتی جا رہی ہے۔ افسانے میں افسانہ نگار نے کھلے مین ہول کی علامت بھی استعمال کی ہے، جہاں سے لوگ اس گٹر میں گر کر زخمی ہوتے ہیں یا جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ لوگ کوشش کریں تو یہ اس مین ہول کے ذریعے باہر آ کر از سرِ نو زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ افسانے کے دو کردار گٹر میں گر کر باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرتے ہیں مگر ان میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ کھڑے ہو سکیں اور گٹر سے باہر آ سکیں۔ بلکہ گٹر کے گندے پانی میں بہتے ہوئے بغیر کوشش کے باہر نکلنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

افسانہ "پت جھڑ میں خود کلامی" مارشل لاء کے خلاف عمدہ علامتی افسانہ ہے۔ افسانے میں مارشل لاء کی حکومت کے لیے پت جھڑ کی علامت استعمال کی ہے۔ پت جھڑ کی علامت ان خوابوں کی طرف اشارہ ہے جو مارشل لاء کی پابندیوں کے بنا پر دم توڑ چکے ہیں۔ کیونکہ مارشل لاء میں زبان بندی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ فوج کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ جب کہ مارشل لاء کے دور میں فوج اپنے ہی ملک کے باسیوں کے ساتھ نبرد آزما ہوتی ہے۔ عوام کی حرکات و سکنات اور زبان پر پہرے بٹھا دیے جاتے ہیں۔ اور یوں ملک ایک خاموش قبرستان کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

" گاڑھا اندھیرا اور گاڑھا ہو گیا۔

" میں چیخنا چاہتا ہوں مگر میری آواز اندھیرا ہے۔
میں بولنا چاہتا ہوں مگر میرے لفظ اندھیرا ہیں۔
میں سوچتا ہوں۔ میں ہوں۔
اس سے آگے اندھیرا گاڑھا اندھیرا"(۴)

پت جھڑ کا موسم، گھپ اندھیرا، قبریں، سناٹے میں الو کی تیز گونجتی ہوئی آواز، زرد پتوں کے پہاڑ یہ تمام علامتیں ظالم و جابر حکومت کی آہٹیں ہیں۔

افسانہ "میلہ جو تالاب میں ڈوب گیا" میں پاکستان میں واقع ہونے والے مختلف واقعات کو مزاحمتی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ افسانہ نگار نے سمندر کو آزادی کی علامت اور غلاظت بھرے تالاب کو مارشل لاء کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے اور پاکستان کو ایسا میلہ کہا ہے جہاں ہر سو خوشحالی کا بسیرا تھا۔ لیکن اچانک مارشل لاء نے اسے غلاظت بھرے تالاب میں دھکیل دیا۔ یہ غلاظت بھرا تالاب آمریتی ظلم و جبر کا استعارہ ہے۔ افسانے میں خودکشی کا کرتب دکھانے والا شخص ہمارے سیاسی رہنماؤں کی علامت ہے۔ رشید امجد نے اس کردار کے ذریعے پاکستانی سیاست دانوں کی چالبازیوں، عوام کی بزدلی اور احمق پن پر چوٹ کی ہے۔ رشید امجد پاکستانی سیاست دانوں کی مکاریوں اور عوام کے خلاف علامتی انداز میں مزاحمت پیش کرتے ہیں۔

> " میں خودکشی کر رہا ہوں" مجمعے میں سسکاریاں ابھرتی ہیں۔ وہ شخص چبوترے کے درمیان لگے بجلی کے پول پر چڑھنے لگتا ہے۔ چکنے پول پر اس کے ہاتھ بار بار پھسلتے ہیں اور وہ چند فٹ اوپر جا کر پھر نیچے آ جاتا ہے۔ مجمعے کی نظریں اس پر جمی ہوئی ہیں جوں ہی اس کے ہاتھ پھسلتے ہیں، مجمع اطمینان کا سانس لیتا ہے۔" (۵)

پاکستانی عوام ان سیاست دانوں کی مکاریوں چالاکیوں اور ہتھکنڈوں کے بارے میں جاننے کے باوجود بھی ان کے عیبوں سے چشم پوشی کیے ہوئے ہیں۔

افسانہ "کوڑا گھر میں تازہ ہوا کی خواہش" سیاسی جبر و قید کا علامتی اظہار ہے۔ زندگی ایک بھاری ٹوکرے کا روپ ہے مگر یہ خالی ہے۔ ہنسنے اور بولنے پر پابندی ہے۔ افسانے میں کوڑا گھر کو پاکستان کی علامت کے لیے استعمال کیا ہے۔ مارشل لاء کی پابندیاں، گھٹن اور زبان بندی کے خلاف علامتی انداز میں مزاحمت کی گئی ہے۔ مارشل لاء کے ساتھ ہی خوف اور گھٹن کے سائے سارے ملک پر چھا جاتے ہیں۔ کوڑا گھر سے اٹھنے والی بدبو کے سبب انسان اپنے منہ کو ڈھانپ لیتا ہے، یعنی وہ کچھ نہیں بول سکتا۔ جسے مارشل لاء کے دور کی زبان بندی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

> " لفظ جو شہر کے الماری میں کتابوں کے پنجروں میں بند قید تنہائی کی
> سزا کاٹ رہے ہیں لفظ جو باسی ہو جائیں تو بُو دینے لگتے ہیں،
> تعفن سے لبریز گندی بُو،
> میں جلدی سے کتاب بند کر دیتا ہوں۔
> لفظ اپنے قید خانے میں سمٹ جاتے ہیں" (۶)

مارشل لاء کے آنے سے نہ صرف لوگ اپنے گھروں میں محصور ہو جاتے ہیں بلکہ ٹی وی اور ریڈیو کی نشریات پر بھی پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ ان پابندیوں کے سبب معاشرہ بدبودار اور تعفن کا شکار ہوتا ہے۔ جابر حکمران اپنے اقتدار کے خاتمے کے ساتھ ہی حکومت دوسرے جابر حکمران کے حوالے کر جاتا ہے۔ عوام ان حکمرانوں کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح بے بس دکھائی دیتے ہیں۔

افسانہ "بانجھ ریت اور شام "میں بھی سیاسی جبر اور گھٹن کا اظہار ہے۔ سیاسی و آمریتی ظلم و جبر کو علامتی پیرائے میں پیش کیا ہے۔

" سنا ہے وہ دبے پاؤں آتا ہے اور اچانک پیچھے سے وار کر دیتا ہے۔

" ہاں"

" وہ ایک اور شہر اتنا بڑا۔۔۔ آخر کوئی اسے پکڑتا کیوں نہیں، کچھ کہتا کیوں نہیں؟

" کون کہے، ہر کوئی دوسرے سے اس کی توقع کرتا ہے۔" (۷)

مارشل لاء اور آمریتی حکمران کے خلاف کوئی آواز اٹھانے والا نہیں، سب سیاسی ظلم و جبر اور خوف و دہشت کے سامنے بے بس ہیں۔ آمریتی حکمران ملک کی سلامتی پر وار کرتا ہے اور وار کر کے ایک ایک کو ختم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ہندسے تمام ہو جاتے ہیں۔ افسانہ کا مرکزی کردار سیاسی ظلم و ستم کا شکار ہو کر سرمئی بادلوں کی اوٹ سے ان مظالم کا نظارہ کرتا ہے۔

زیرِ مطالعہ رشید امجد کا افسانوی مجموعہ " ایک عام آدمی کا خواب" حرف اکادمی راولپنڈی سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ اس میں شامل افسانہ "ایک عام آدمی کا خواب " میں عام آدمی کی بدولت حکمران طبقہ حکومت کرنے کے قابل ہوتا ہے مگر جب ان حکمرانوں کے ہاتھ ملکی بھاگ دوڑ آجاتی ہے تو وہ اس عام آدمی کی زندگی کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ رشید امجد نے اپنی زندگی میں مارشل لاء کے چار ادوار دیکھے۔ انہوں نے آمریت کے ادوار میں ہونے والی وحشت اور گھٹن کو اس افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ عام آدمی تبدیلی اور اچھی خبر کا انتظار دل میں لیے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے مگر اس کے ملک کے حالات جوں کے توں رہتے ہیں۔ ہر نیا آنے والا حکمران نئے وعدے اور امیدوں کے ساتھ حکومت پر براجمان ہوتا ہے مگر جلد ہی روایتی ڈگر پر چل نکلتا ہے اور عام آدمی کا خواب صرف خواب ہی رہ جاتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شفیق انجم لکھتے ہیں:

> " رشید امجد نے عام آدمی کی جو سرگزشت رقم کی ہے اس میں جبر اور گھٹن بنیادی استعارے ہیں۔ جبر کا آہنی ہاتھ فرد کو گدی سے پکڑ دبوچے ہوئے ہے۔ ایسے عالم میں اعصاب شل اور دل و دماغ سن ہوئے جا رہے ہیں۔ کردار بولنا چاہتا ہے اور بولتا بھی ہے لیکن خرخراہٹوں کے سوا کچھ

سنائی نہیں دیتا۔ وہ سوچنا چاہتا ہے اور سوچتا بھی ہے لیکن سمجھ نہیں
آتا کہ کیا سوچتا ہے۔"(۸)

"بلیک ہول" افسانہ بھی بے معنویت اور عدم شناخت کو پیش کرتے ہوئے سیاسی و معاشرتی جبر کی عکاسی کرتا ہے۔ اس افسانے میں گھر کو علامتی انداز میں پیش کیا ہے۔ گھر سے مراد ایک ایسا حکمران ہے جس کو عوام اپنے دکھ کا مداوا سمجھ سکیں۔ چونکہ گھر سکون کی جگہ ہوتی ہے لہٰذا گھر کو حکمران کی علامت کے طور پہ پیش کیا ہے۔ "بلیک ہول" کے مرکزی کردار کے بٹوے میں موجود رقم کا بے معنی ہو جانا، اس دور کے معاشی عدم استحکام کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی ایک عام آدمی جو منتخب حکومتی گروہ سے سکون کا متلاشی نظر آتا ہے، انہی کے ظلم اور ستم کا شکار ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ ظلم معاشی ہو، معاشرتی ہو، سیاسی ہو یا اقتصادی ہو۔ بقول ڈاکٹر فردوس انور قاضی:

" ان افسانوں میں ایک ایسا کردار نظر آتا ہے جو گھر کا راستہ بھول گیا ہے۔ جس کے گھر کے دروازے بند ہیں یا جسے کوئی نہیں پہچانتا۔ دراصل علامتی انداز میں یہ آدمی کی موت کا اعلان ہے جو بظاہر زندہ ہے لیکن اندر سے مر چکا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد لاتعلق ہوا جا رہا ہے۔ کسی کو اس کی گمشدگی، اس کی موت کا احساس نہیں ہے۔ یہ تمام چیزیں موجودہ عہد کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی جبر کی علامتیں ہیں۔" (۹)

رشید امجد نے علامتی پیرائے میں ملکی قانون سازی کے عمل کو بھی بیان کیا ہے افسانہ "کھیل "ایسے موضوع کو بیان کرتا ہے۔ اس افسانے میں افسانہ نگار نے تھیٹر کو ملک، کھیل کو حکومتی چال چلن اور مینجر کو ان حکام کو جو اپنی مرضی سے کھیل پیش کرتے ہیں، کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس افسانے میں وہ کھیل بیان کیا گیا ہے جو پچھلے سال سے پاکستانی عوام کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔ یہ جمہوری اور آمریتی حکومت کا شیوہ ہے کہ ان سے جواب طلبی کرنے والے افراد کو نشان عبرت بنا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے دور میں ادیبوں کے لیے ان مسائل کی نشان دہی کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اسی بنا پر رشید امجد نے علامتی زبان کو اپنے افسانوں میں جگہ دے کر اپنے خیالات و افکار کا اظہار کیا ہے۔ رشید امجد نے اپنے افسانہ میں جمہوری حکومت کی من مانیوں اور آمریت کے ظلم و جبر کی عکاسی کی ہے۔ افسانے کے آخر میں دکھایا گیا ہے کہ تھیٹر میں موجود ایک آدمی مینجر اور نظام کے بدلنے کے حوالے سے سوال کرتا ہے۔ جبکہ اس کے ساتھی اسے خاموش کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ آدمی اپنے سوال کی بنا پر انتظامیہ کے تشدد کا نشانہ بنتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے معاشرے کے ان افراد کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو معاشرے کے ظلم و ستم کے خلاف خاموش نہیں رہتے بلکہ اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ مگر

جلد ہی حکومتی جبر کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ رشید امجد نے کمال مہارت کے ساتھ پاکستان کی سیاسی تاریخ علامتی انداز میں اس افسانہ میں بیان کر دی ہے۔

رشید امجد نے افسانے "سکرپٹ" میں آئین پاکستان کے ساتھ ہونے والی رسہ کشی کو علامتی انداز میں پیش کیا ہے۔ سکرپٹ کو پاکستان کے آئین کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ جبکہ سکرپٹ کے بغیر کھیل کو جاری رکھنے والے کرداروں کو سیاست دانوں اور فوجی آمروں کی علامت کے طور پر لیا ہے۔ اور اچھی اور بری تاویل پر تالیاں پیٹنے والوں کو پاکستان کی عوام سے تعبیر کیا ہے۔ اس افسانے کا ایک کردار ایسا بھی ہے جو سکرپٹ کے بغیر جاری کھیل میں گڑبڑ کا متلاشی ہے۔ یہ کردار ملک کے دانشوروں اور سماجی ادیبوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو ملکی حالات سے باخبر ہو کر ملکی صورتحال میں بھونچال اور گڑبڑ کو تلاش کر کے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں

اس کہانی میں پاکستان کے آئین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے اور اپنی من پسند ترامیم کرنے کو علامتی رنگ میں پیش کیا ہے۔ افسانے میں پاکستانی عوام کو بے حس دکھایا گیا ہے کہ جو بغیر سکرپٹ کے جاری کھیل کو بھی سراہ رہی ہے۔ پاکستانی عوام جو آمریت اور سیاسی ظلم و ستم کا شکار ہے مگر پھر بھی اندھا دھند اپنی من پسند سیاسی حکومتوں کے آنے پر خوشی مناتی ہے اور مٹھائیاں تقسیم کرتی ہے۔

> " جب ان کو سکرپٹ کی اہمیت ہی نہیں معلوم "ایک اداکار نے دوسرے سے کہا ۔۔۔۔۔۔"تو سکرپٹ کے بغیر ہی چلو " "لیکن کب تک" دوسرے نے تشویش سے پوچھا۔ "جب تک چلے" پہلے نے جواب دیا۔
>
> (۱۰)

زیر مطالعہ افسانوی مجموعہ " ایک عام آدمی کا خواب " میں شامل افسانہ " بکھری ہوئی کہانی "میں عوام کی بے بسی، غلامی اور ذہنی پستی کے ساتھ ساتھ آمرانہ وسیاسی حکومتوں کے ظلم و جبر کا بیان بھی شامل ہے۔ افسانے میں میں ایک آدمی کا خاموشی سے مدتوں خالی بڑی کرسی پر براجمان ہو جانا، سب سے خون کا پیالہ طلب کرنا، اپنی سرداری کی شہادت طلب کرنا یہ تمام علامتیں ہیں جن کے ذریعے آمریتی حکمرانوں کا کرسی پر قابض ہونا، عوام کے حقوق کا استحصال اور پھر اپنی حکومت کو مضبوط کرنا جیسے عوامل کو پیش کیا ہے۔ اس قابض آدمی کے مرنے کے بعد اس کی پسلی سے دوسرے اجنبی کا نمودار ہو کر کرسی پر براجمان ہونے کو ایک آمر حکومت کے خاتمے کے بعد دوسری آمریتی آمریتی حکومت کے قابض ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ افسانے میں آگے چل کر ایک کردار کا اس اجنبی آدمی اور حکومت کے خلاف آواز اٹھانا اور اس کردار سے لوگوں کا قطع تعلق کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اگر ان آمروں کی چال بازیوں کے خلاف آواز اٹھائی جائے تو کس طرح سے ان کو نشانِ عبرت بنا دیا جاتا ہے۔ اس کردار سے قبیلے کے لوگوں کی لاتعلقی کے عمل کو غلامی کی علامت کے طور پر لیا ہے۔

ڈاکٹر شفیق انجم اس بارے رقمطراز ہیں:

"رشید امجد کی کہانی کا فرد اپنے ماحول سے بیزار ہے۔اس ماحول میں سیاست اور خارج کے جبر کا رنگ نمایاں ہوتا جاتا ہے۔مارشل لاء کی بندشیں قید وبند کی صعوبتیں اور حکم زباں بندی پر مبنی موضوعات رفتہ رفتہ ان کی کہانی پر چھانے لگتے ہیں۔" (۱۱)

افسانے میں مذہبی رہنماؤں کا فتویٰ لگانا ان مذہبی نام نہاد ملاؤں کی طرف اشارہ ہے جو حکومت وقت میں رہتے ہوئے ظالم اور آمر حکومت کے ساتھی ہیں۔

افسانہ "خزاں دبے پاؤں آئی" کے موضوع سے عیاں ہے کہ کس طرح خزاں میں بے سکونی، بے چینی اور خاموشی چھا جاتی ہے، سب کچھ اُجڑا اُجڑا سا دکھائی دیتا ہے۔اس افسانے میں باغ کو پاکستان کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔باغ میں خزاں کا دبے پاؤں آنا آمریتی حکمرانوں کی وجہ سے معاشرے میں ظلم وبربریت کا راج ہونا ہے۔

"بس کوؤں کا بے ہنگم شور تھا، درختوں کی اونچی چوٹیوں پر بیٹھی چیلیں تھیں۔جن کی صورتیں گدھوں جیسی ہو گئی تھیں۔کوے ذرا اوپر والی شاخوں پر اپنی بے ہنگم آوازوں کے ساتھ اپنے ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔اب اس نے باغ کی طرف دیکھا تو پھول مہک تو رہے تھے لیکن کوئی پراسرار خاموشی تھی ۔اس مہک میں لہک نہیں تھی"(۱۲)

درج بالا اقتباس میں اونچی شاخوں پر چیلوں سے مراد حکام بالا اور حفاظتی ادارے ہیں۔ باغ کے اجڑنے اور فضا میں خاموشی کے ذریعے پاکستانی سرزمین کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ کہانی میں موجود باغبان سے مراد اس دیش کے وہ دانشور ہیں جنہیں گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے لیکن حکومتی جبر کی بنا پر وہ اپنی آواز دبا لیتے ہیں۔ افسانے میں سکوتِ ڈھاکہ کی صورتحال اور ڈکٹیٹر شپ کی کیفیات کی عکاسی ملتی ہے۔افسانے میں گدھ کے گوشت نوچنے سے مراد مشرقی پاکستان کا علیحدہ ہو جانا ہے۔ افسانے کے آخر میں درختوں کی پتیاں اور ٹہنیوں پر چیونٹیوں کا دوڑنا، پورے باغ کو اپنے لپیٹ میں لے لینا، ملک اور عوام پر آمرانہ حکومت کا قبضہ ہونے پر منایا جانے والے فتح کے جشن کی طرف اشارہ ہے۔ افسانوی کردار کا اپنے بدن سے کیڑے مکوڑوں اور چونٹیوں کو جھاڑنا عوام کی طرف سے پیش آنے والی مزاحمت کی علامت ہے۔ کہانی کی پوری فضا ہی علامتی ہے۔

علامتی تحریک کے ارکان میں رشید امجد کا نام خاص پہچان کا حامل ہے۔ان کی تحریروں کی گہرائی اور گیرائی کو جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ رشید امجد کے قاری کو ان کی تحریروں میں

رشید امجد کی شخصیت کو تلاش کرنا پڑتا ہے اور ان کو صرف وہی تلاش کر سکتا ہے جو ان کی تجربے کی پراسراریت کو محسوس کر سکتا ہے۔اس ضمن میں رشید امجد لکھتے ہیں:

" میں جو کچھ لکھتا ہوں یہ میری باطنی واردات ہے۔اس میں میرا ماحول اور معاشرہ بھی آجاتا ہے کہ بہر حال میں اس کا ایک فرد ہوں۔ لیکن میں اپنی پہچان ایک سماجی ماہر کے طور پر نہیں کرانا چاہتا۔میں ایک تخلیقی فنکار ہوں اور جہاں فن آئے گا،وہاں تکنیک بھی ہو گی۔"(۱۳)

رشید امجد نے اپنے ان افسانوی مجموعوں میں اپنے دور کے سیاسی جبر،عدم تحفظ،تنہائی،عدم شناخت کی کیفیات کے بارے میں بخوبی لکھا ہے۔ان کے افسانے پاکستان کی سیاسی،سماجی اور معاشی تاریخ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔رشید امجد اپنے عہد کے مزاحمتی روّیوں کے نمائندہ ہیں۔انہوں نے نہ صرف علامتی افسانے لکھے بلکہ علامتی افسانہ نگاروں کے لیے نئی راہوں کا تعین بھی کیا۔

حوالہ جات

۱: صفیہ عباد،ڈاکٹر،پیش لفظ،مشمولہ:"رشید امجد کے افسانوں کا فکری و فنی مطالعہ"،پورب اکیڈمی ،اسلام آباد،۲۰۰۷ء،ص۔۱۱۱۱

۲: رشید امجد،افسانہ" گملے میں اگا ہوا شہر" ،مشمولہ: سہ پہر کی خزاں ،دستاویز پبلشرز، راولپنڈی،۱۹۸۰ء،ص۔۱۲۔۱۳

۳: رشید امجد،افسانہ" سناٹا بولتا ہے"،مشمولہ:سہ پہر کی خزاں،ص۔۱۹

۴: رشید امجد،افسانہ"پت جھڑ میں خود کلامی"مشمولہ: سہ پہر کی خزاں،ص۔۲۶۲۶

۵: رشید امجد،افسانہ" میلہ جو تالاب میں ڈوب گیا"،مشمولہ:سہ پہر کی خزاں،ص۔۳۲ ۳۲

۶: رشید امجد،افسانہ"کوڑا گھر میں تازہ ہوا کی خواہش"مشمولہ:سہ پہر کی خزاں،ص۔۳۵

۷: رشید امجد،افسانہ"بانجھ ریت اور شام"،مشمولہ:سہ پہر کی خزاں،ص۔۶۱ ۶۱

۸: شفیق انجم،ڈاکٹر،"رشید امجد ایک مطالعہ" نقش گر،راولپنڈی،۲۰۰۹۲ء،ص۔۱۲۲۱۲۲

۹: فردوس انور قاضی،ڈاکٹر،" اردو افسانہ نگاری کے رجحانات" مکتبہ عالیہ،لاہور،۱۹۹۹ء،ص۔۵۶۵۶۲

۱۰: رشید امجد، افسانہ "سکرپٹ "،مشمولہ: ایک عام آدمی کا خواب ، حرف اکادمی ،راولپنڈی، ۲۰۰۶ء،ص۔۱۱۶

۱۱: شفیق انجم،ڈاکٹر،"ڈاکٹر رشید امجد شخصیت اور فن" اکادمی ادبیات،اسلام آباد،۲۰۱۰۰ء،ص۔۲۰۲۰۰

۱۲: رشید امجد ، افسانہ "خزاں دبے پاؤں آئی "،مشمولہ :ایک عام آدمی کا خواب ، حرف اکادمی ،راولپنڈی،۲۰۰۶ء،ص۔۷۶

۱۳: رشید امجد، افسانہ "میں کیوں لکھتا ہوں"، مشمولہ: عام آدمی کے خواب، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص۔۱۶